Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 5 (July-Sep 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

Rabi'at of Mustafa Zaidi

مصطفیٰ زیدی کی رباعیات

Dr. Raheela Kausar
Assistant Professor Urdu, Minhaj University Lahore

Abstract

The Rubai is a classical poetic form consisting of four lines, where the first, second, and fourth lines share the same rhyme, following an AABA rhyme scheme. This structure allows for a concise but profound expression of thought, often philosophical or reflective. Mustafa Zaidi, a renowned poet known for his romantic and progressive themes, embraced this form alongside his more famous work in Nazm. Although Nazm remains his hallmark, Zaidi also ventured into other poetic forms such as the Ghazal, Qataa, and Rubai, demonstrating his wide-ranging literary talent. Zaidi's Rubaiyyat reflects a deep engagement with the traditional structures of Eastern poetry, influenced by the legendary poets Josh Malihabadi and Firaq Gorakhpuri. Their influence is evident in Zaidi's stylistic choices, thematic depth, and ability to infuse modern progressive ideas into classical forms. The Rubai provided Zaidi with a platform to experiment with brevity while maintaining lyrical intensity, making his contributions to this genre a unique blend of personal expression and cultural heritage.

Keywords: Rubai, Mustafa Zaidi, romantic, progressive themes, philosophical, Eastern poetry.

تعارف

عشق واقعی مصطفیٰ زیدی کا بنیادی اور غالب عنصر ہے، جس کے ساتھ فکر وخیال کی جمالیاتی سطحیں، الفاظ کی خوبصورت قباؤں میں ملبوس ہوتی ہیں۔ نظم، غزل اور قطعات کے بعد مصطفیٰ زیدی نے رباعیاں زیادہ تعداد میں لکھی ہیں۔ جو روشنی بارِ اوّل کا حصہ ہیں اور دوبارہ انھیں کسی مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا۔ رباعی کے مختلف نام رائج رہے ہیں۔ مثلاً ترانہ، دوبیتی، چہار مصراعی اور قول وغیرہ مگر آہستہ آہستہ صرف دو نام مستعمل رہ گئے۔ رباعی یا دوبیتی۔ جب تک رباعی کے مخصوص اوزان کا تعین نہیں ہوا تھا وہ اشعار کی نظم کو بیت یا دوبیتی ہی کہا جاتا تھا۔ مگر جب رباعی کا وزن مخصوص ہو گیا تو دوبیتی اور رباعی کا فرق واضح ہو گیا۔

اس طرح قطعے اور رباعی میں بھی عام طور پر کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا حالانکہ رباعی اور قطعے میں کافی فرق ہے۔ پہلا اور بنیادی فرق تو وزن کا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے رباعی کے وزن کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ”رباعی بحر ہزج مثمن (اخرم و اخراب) میں کہی جاتی ہے۔ اس میں دس ارکان مستعمل ہیں، ایک سالم (مفاعیلن) اور نو مزاحف (مفاعل، مفاعیل، فاعلن، مفعولن، مفعول، فعول، فعل، فاع اور فع) ارکان مزاحف یا مزاحف وسالم باہم مرکب ہو کر آتے ہیں، تو ان سے چوبیس اوزان حاصل ہوتے ہیں۔ ان چوبیس اوزان میں سے جو بارہ مفعول سے شروع ہوتے ہیں اخراب کہلاتے ہیں اور باقی بارہ جو مفعولن سے شروع ہوتے ہیں اخرم کہلاتے ہیں۔

	اخرب				اخرم			
1۔	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعول	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعول
2۔	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فع	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فع
3۔	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فع	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعل
4۔	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعل	مفولن	فاعلن	مفاعیلن	فع
5۔	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعول	مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعول
6۔	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فاع	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فاع

CC BY

7-	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعل	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فع
8-	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فع	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فاع
9-	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعول	مفعولن	مفاعیلن	مفعول	فعول
10-	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فع	مفعولن	مفعولن	مفعولن	فاع
11-	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعل	مفعولن	مفعولن	مفعول	فعل
12-	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فاع	مفعولن	مفعولن	مفعولن	فع

"ان سب اوزان کا جمع کرنا جائز اور روا ہے۔ گویا اگر رباعی کے چاروں مصرعے چار مختلف زحافات میں ہوں تو ناموزوں نہیں کہے جاسکتے۔"(1)

چنانچہ قطعے اور رباعی میں پہلا بنیادی فرق وزن ہی کا ہے۔ رباعی کا وزن مخصوص ہے جبکہ قطعے کے لیے کسی بحر کی تخصیص نہیں۔ یہ چھوٹی سے چھوٹی اور طویل سے طویل بحر میں لکھا جا سکتا ہے۔ رباعی اور قطعے میں دوسرا فرق مطلعے کا ہے۔ قطعے کے لیے مطلع کا ہونا ضروری نہیں ہے کہ جبکہ رباعی میں مطلعے کا ہونا ضروری ہے۔ مصطفیٰ زیدی کی سب رباعیوں میں اس پابندی کو نبھایا گیا ہے۔ جیسے بحر ہزج مثمن اخرم میں یہ رباعی مطلع کی پابندی ظاہر کرتی ہے۔

آشاؤں میں من کی کنمناتا ہے کوئی
دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا ہے کوئی
آنکھوں سے مری، گیت جھلک جاتے ہیں
جب رات کو بانسری بجاتا ہے کوئی

ایک اور رباعی مطلعے کے ساتھ:

سینے میں مچل رہے ہیں ساون کے راگ
عارض پہ مہک رہا ہے ہولی کا سہاگ
ہونٹوں سے برس رہی ہے جلتی ہوئی مے
آنکھوں سے چھلک رہی ہے بھیگی ہوئی آگ
(2)

رباعی اور قطعے میں تیسرا بڑا فرق اشعار کی تعداد کا ہے۔ قطعے میں اشعار کی تعداد دو سے زائد بھی ہو سکتی ہے۔ مگر رباعی میں اشعار کسی صورت بھی دو سے نہیں بڑھ سکتے۔ مصطفیٰ زیدی نے دو اشعار پر مشتمل قطعے بھی لکھے ہیں۔ اِن میں بعض اوقات مطلع بھی ہوتا ہے۔ بعض قطعے مطلع کے بغیر بھی ہیں۔ کئی نظمیں قطعے کی ہیئت میں ہیں، مگر رباعیاں صرف رباعی کے مقررہ عروضی اصولوں کے تحت لکھی ہیں۔ رباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ بھی ہوسکتے ہیں۔ ایسی رباعی کو مصرع رباعی کہتے ہیں۔ مصطفیٰ زیدی نے روروشنی (بارِاوّل) کی رباعیات میں مصرّع رباعی نہیں کہی ہے۔

مصطفیٰ زیدی کے کلام کے مجموعی تاثر کے ابتدائی نقوش اِن کی رباعیوں میں ملتے ضرور ہیں مگر اِن میں کچھ رباعیاں اِن کے مخصوص رنگ کی ناپختہ صورت کہی جاسکتی ہیں:

کیا تجھ کو ملے گا جب وہ روتی ہو گی
ٹوٹے ہوئے تاروں کو پروتی ہو گی
اے نالۂ بے قرار تھم جا تھم جا
اس وقت وہ آرام سے سوتی ہو گی

اِس معرکۂ زیست میں بڑھ جا پہلے

طوفاں کے جگر کو دوست لرزا پہلے
عورت کا گداز نعمت اعظم ہے
لیکن فولاد دے تو ٹکڑا پہلے
(3)

ان رباعیوں میں اِس پختگی کا فقدان ہے جو بعد میں کہے جانے والے کلام میں ہے اور Sensuous Refinement کے نام سے جانی جاتی ہے۔خیال اور بنت کا کچا پن صاف محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ خامی صرف چند ایک رباعیوں تک محدود ہے۔ احساس جمال کی ایک جھلک اس رباعی میں دیکھتے ہیں:

کونین کے اُٹھ رہے ہیں پردے اے دل
اک مرکز نو پہ راگ جاگے اے دل
ہونٹوں میں تبسم کی یہ نہاں لرزش
پھولوں سے چٹک رہے ہیں غنچے اے دل
(4)

ہونٹ، راگ، پھول، غنچے، نہاں لرزش کو محسوس کرنے کا انداز مصطفیٰ زیدی کی شاعری کا وہ رنگ ہے جو آخری مجموعۂ کلام تک نکھرتا اور سنورتا رہا۔ اور کئی معنیاتی اور جمالیاتی سطحوں کی تخلیق کرتا رہا ہے۔ ایک اور رباعی میں اسی انداز کو احساس جمال کے ساتھ جزبے کی شدت کے حوالے سے بھی دیکھتے ہیں:

گلزار کا گلزار سنور جاتا ہے
چڑھتا ہو طوفان اتر جاتا ہے
کھلتے ہیں ترے ہونٹ تو میرے دل کی
کلیوں کا چٹک رنگ نکھر جاتا ہے
(5)

چونکہ مصطفیٰ زیدی کی شاعری کا بنیادی رنگ عشق، محبت اور رومانویت ہے سوا ابتدائی دور کی ان رباعیات میں بھی اس کی کارفرمائی اسی انداز کی ہے۔ محبت کو وہ ایک تخلیقی احساس سمجھتے ہیں۔ جیسے موسمِ بہار ساری کائنات کو جمی ہوئی سرو کیفیت سے نکال کر ایک زندگی آمیز حدت سے آشنا کر دیتا ہے اسی طرح ان کے نزدیک محبت "زمہریر" جزبوں کو اپنی حدت سے چمکا دیتی ہے۔

دل کی خفتہ کلی کھلا دے اب بھی
مرحوم امنگوں کو جلا دے اب بھی
میری آنکھوں میں جم چکے ہیں آنسو
اے جان بہار مسکرا دے اب بھی
(6)

اس رباعی میں خفتہ کلی، مرحوم اُمنگ اور جم چکے آنسو محبت کی کمی یا اس سے ناآشنائی کی علامتیں ہیں جبکہ "جان بہار" محبوب ایک نئے موسم کی علامت ہے جو اپنی رنگینی اور حدت سے خفتہ کلی کو کھلا سکتا ہے، مرحوم امنگوں کو زندگی دے سکتا ہے۔ اور شاعر کی آنکھوں کو ان کی چمک لوٹا سکتا ہے۔ اسی تناظر میں دو رباعیاں اور دیکھتے ہیں:

جاڑے کے دنوں میں جیسے ہلکی سی پھہار
یہ رس، یہ امنگ، یہ جھلاجھل، یہ نکھار
ہنگام طلوعِ صبح مخمل سا بدن
مخمل سے بدن پہ نرم ریشم کی بہار

سیّاروں کے گرد جیسے تارے گھومیں
رگ رگ میں لہو جیسے مچائے دُھومیں

تیری آنکھیں — حسین بھولی بھالی
بیلے کی کلیوں پہ جیسے بھنورے جھومیں
(7)

عام طور پر شاعر جب واردات حسن یا سراپے کی بات کرتے ہیں تو جذبات سے لبریز الفاظ وخیالات سے کام لیتے ہیں یا پھر لوازمات اور حسن و سراپے کے بیان میں تفاصیل گنوانا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن مصطفیٰ زیدی چونکہ جمال پرست و رمان پسند واقع ہوئے ہیں چنانچہ ان کا احساس جمال اور رومانی تفکر رباعی نگاروی میں مصوری کی شان پیدا کر دیتا ہے اور مصوری بھی ایسی کہ جو غیر مرئی چیزوں کو بھی مجسم کر دیتی ہے جیسے پہلی رباعی میں رس، امنگ، جھلا جھل وغیرہ اور جب وہ مرئی چیزوں کی تصویر کشی کرتے ہیں تو خوبصورت تشبیہات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً مخمل سا بدن،۔ ریشم کی بہار۔ ہلکی سی پھہار اور آنکھوں کے حسن کو بھنوروں کے جھومنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مصطفیٰ زیدی کو صرف عشق اور وار فتگی نہیں ہے، بلکہ یہ عشق اور وار فتگی حسن کی گہرائیوں میں لے جا کر کسی اور بھی حسین اور نئی دنیا سے آشنا کرا کے حیرت زدہ چھوڑ دیتی ہے اور وہ گھبرا کے ٹھٹھک کر واپس پلٹتے ہیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ اس حسین اور عجیب دنیا کو اپنی مٹھی میں لے سکتے ہیں۔

یہی گھبرایا ہوا شاعر بھر حسیات سے جب حسن کا مشاہدہ کرتے ہیں تو مشاہدے سے کہیں زیادہ تجزبہ محسوس ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں میں اس تجربے میں وہ مجسم کو مجرو سے ملا کر کئی گہرے مطالب بھی پیش کرتے ہیں:

نم عارض پر کھلے ہوئے گل کی مہک
ہونٹوں میں چوم چوم لینے کی کسک
صندل سی کلائیوں میں دھانی بانکیں
دھانی بانکوں میں سرد راتوں کی کھٹک
(8)

مصطفیٰ زیدی اپنی حسیات کے کیمرے سے فطرت کی آرٹ گیلری کے مجسم حسن پر دھیرے دھیرے روشنی ڈالتے ہوئے کئی خوبصورت مناظر سے آنکھوں کو منور کرتے ہیں۔ ان خوبصورت شاہکاروں میں زندگی کی تپش، کسک اور تڑپ بھی دکھاتے ہیں جو کوئی بہترین کیمرہ بھی عکس بند نہیں کر سکتا۔ یہ خاص طرح کی کاریگری ہے جس میں متاعِ دل وجاں صرف ہوتی ہے۔ مصطفیٰ زیدی نے یہ متاع دل وجاں ان رباعیات میں سمودی ہے۔ اسی سوز و ساز کو اس رباعی میں دیکھتے ہیں۔

آتش کدۂ زیست کے تیور دیکھو
شعلوں کے لچکتے ہوئے پیکر دیکھو

آئے نہ یقین جو گرمی دوزخ کا
میرے سینے پہ ہات رکھ کر دیکھو
(9)

آتشکدہ، شعلے اور گرمیِ دوزخ جیسے تلازمے ایک طرف شدت جذبات کا اظہار ہیں تو دوسری طرف شاعر کے رومان کا امتحان بھی ہیں۔ حرکت اور حدت کا یہ سفر ایک خاص طرح کی معنی خیزی پیدا کرتا ہے۔

محسوسات کے اس تناظر میں دردمندی یا گداز کا عمل دخل فطری ہے۔ رباعیات کی حد تک مصطفیٰ زیدی کے یہاں یہ کوئی رچا ہوا انداز نہیں ہے۔

اِس سمت ہیں اشک، اس طرف آہیں ہیں
دونوں سر تا قدم لہو میں تر ہیں
پھر بھی وہی بانکپن، وہی شان شکوہ
اللہ رے مرے شعر! اللہ رے میں
(10)

مصطفیٰ زیدی کی بعض رباعیاں جوش کے کلام کی طرح زورِ بیان اور شکوہ الفاظ کا رنگ دکھاتی ہیں، چونکہ یہ رباعی کی بنیادی ضرورتیں ہیں، اس لیے ایسی رباعیوں کا انداز ہی اور ہے:

دل جذبۂ غیرت کو نہیں کھو سکتا
اب جاگ کے انسان نہیں سو سکتا
جنت سے ذلیل ہو کے ہم نکلے
اب پھر وہیں جائیں یہ نہیں یہ ہو سکتا
اس دہر میں، خیر مقدم جاں کے لیے

CC BY

بوسے پھر کفر نے وہ ایماں کے لیے
شیطان نے اپنے نرم بازو کھولے
جنت سے نکالے ہوئے انساں کے لیے
(11)

وجودیت کے اثرات بیسویں صدی کے زیادہ تر شعرا کے کلام میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ میرا جی، راشد، فیض، مجید امجد، احمد ندیم قاسمی، منیر نیازی اور خود مصطفیٰ زیدی کے باقی کلام کی طرح رباعیوں میں بھی وجودیت کی پرچھائیں دیکھی جاسکتی ہے:

جو منکر روح و دین و ایمان ہو جاے
جس کا ایماں صرفِ عصیاں ہو جاے
ہے قابلِ تعظیم فرشتوں کے لیے
قسمت سے کوئی ملک جو شیطان ہو جاے
(12)

تیری اقلیم میں سزا دیتے ہیں
دوزخ میں خریف کو جلا دیتے ہیں
اے خالق کونین سبق لے ہم سے
ہم لوگ رقیبوں کو دعا دیتے ہیں
(13)

اردو ادب میں ترقی پسندی کی لہر بیسویں صدی کے ربع آخر تک کسی نہ صورت بر قرار ہی۔ مصطفیٰ زیدی الہ آباد میں قیام کے دوران اِس تحریک کے سرگرم رکن رہے۔ ابتدائی کلام پر اس تحریک کے اثرات بھی واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ مگر انھیں صرف ترقی پسند شاعر کہنا درست نہ ہو گا کیونکہ انھوں نے ہر گوشہ علم سے اکتساب کیا ہے۔ اور رومانویت اِن کی فطرت کا ایک غالب عنصر تھی۔ سو اس تناظر میں اِن کے یہاں ترقی پسندی کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ دو رباعیاں دیکھیے:

اِس بھوک اور کال کے جن کو بھی تو دیکھ
پھیر آنکھ شب ماہ سے دِن کو بھی تو دیکھ
فاقوں سے جو مر رہے ہیں لاکھوں انساں
اے شاعرِ حسن و عشق ان کو بھی تو دیکھ

تیور بدلے ہوئے ہیں کوندے دیکھو
اِک لمحے کے واسطے تو مڑ کے دیکھو
اے نغمہ سرایانِ بہارِ گلشن
گلشن پہ لپک رہے ہیں شعلے دیکھو
(14)

اس طرح ہم مصطفیٰ زیدی کی مختصر تعداد کی رباعیوں میں مختلف موضوعات کا انتخاب دیکھتے ہیں۔ یہاں رومانیت بھی ہے۔ جذبات نگاری بھی ہے اور وجودیت، جمالیات ، دردمندی، حسن و عشق اور زندگی کی ماہیت کے عنوانات بھی موجود ہیں۔ اپنے ہم عصر بڑے رباعی نگاروں میں مقدار و اصاف کے حوالے سے تو مصطفیٰ زیدی کی رباعیوں کا رتبہ کچھ زیادہ تاریخی نہیں ہے کہ اس وقت، جوش اور فراق جیسے بڑے رباعی نگاروں کا طوطی بولتا تھا مگر ابتدائی رنگ کلام کے نقوش کے مطالعے کے لیے یہ رباعیاں اہمیت کی حامل ہیں۔

CC BY

حوالہ جات

1. ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا۔اردو میں قطعہ نگاری۔ص13
2. مصطفیٰ زیدی۔روشنی۔بارِاوّل،الہٰ آباد:1949ء۔ص80-81
3. ایضاً۔ص86-84
4. ایضاً۔ص83
5. ایضاً
6. ایضاً۔ص82
7. ایضاً۔ص81
8. ایضاً
9. ایضاً۔ص82
10. ایضاً۔ص80
11. ایضاً۔ص78
12. ایضاً
13. ایضاً۔ص79
14. ایضاً۔ص84